پریم چند کے اردو افسانے: موضوع، اسلوب اور تدریس

[Urdu Short Stories of Premchand : Theme, Style and Pedagogy]

Dr. Most. Umme Kulsum Akter Banu
Professor, Department of Urdu, University of Rajshshi, Rajshahi-6205, Bangladesh

ARTICLE INFORMATION

The Faculty Journal of Arts
Rajshahi University
Special Volume-7
ISSN: 1813-0402 (Print)
https://www.ru.ac.bd/arts/wp-content/uploads/sites/61/2025/11/50.-Dr.-Most.-Umme-Kulsum-Akter-Banu.pdf
Received : 23 February 2025
Received in revised: 20 April 2025
Accepted: 16 March 2025
Published: 25 October 2025

Keywords:
Urdu short story, Premchand, Theme, Style, Pedagogy

ABSTRACT

The most popular branch of Urdu literature is the short story. Among those who elevated this form to global prominence, one of the most notable figures is Premchand (1880–1936). Through his efforts and contributions, short stories gained a distinguished place in Urdu literature. The style he introduced remains influential to this day. Although he made significant contributions to both short stories and novels, he is eternally remembered as a master of the short story.The primary reason for his success in his profound understanding of the daily lives of ordinary and impoverished farmers. Some of his notable short story collections include Prem Puccisi, Prem Batteesi, Prem Chalisi, Zaad-e-Raah, Wardat, Suzee Waton, Akheri Tuhfah, Doodh ki Kimat and Khawab-o-Khayal. His significant short stories include Kafon, Hajj-e-Akbar, Bare Ghar ki Beti, Namak ka Daroga, Poos ki Raat, Shikwa wa Shikayat, Zevar ka Dabba, Hubbe Waton, Ishq Ki Duniya, Yahi Mera Waton, and Duniya ka Sabse Anmol Ratan. His choice of words, sentence structure, and narrative continuity are remarkable. Premchand is unparalleled in character portrayal and realism. Through his short stories, he sought to reform society. This article sheds light on Premchand's brief biography, the themes and style of his short stories and their educational significance.

اردو نثری ادب میں سب سے مقبول ترین صنف افسانہ ہے اور اردو افسانہ کو مقبول بنانے میں جنھوں نے سب سے اہم کردار ادا کیا ہے وہ پریم چند ہے۔ تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ اردو افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز پریم چند ہی نے کیا۔ ان کا حقیقی نام دھنپت رائے تھا مگر ادبی دنیا میں وہ پریم چند کے نام سے مشہور ہیں۔ پریم چند ۱۸۸۰ء میں بنارس میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں یہیں وفات پائی۔[۱] انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ناول سے کیا اور بعد میں افسانے کی طرف توجہ کی۔ وہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں افسانہ لکھتے تھے۔ انہوں نے افسانے کے ذریعے سماج کے مختلف شعبوں پر اصلاح دینے کی کوشش کی۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستانی ادب کو شہری زندگی سے نکال کر دیہاتی زندگی سے اس طرح جوڑ دیا کہ دیہات کا پورا ماحول، رسم و رواج، غربت و افلاس، طور طریقے، عقائد و نظریات اور پورا دیہاتی کلچر اپنی اصل شکل و صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس مقالے میں پریم چند کے اردو افسانے کے موضوعات، اسلوب، اور تدریس پر ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پریم چند نے ابتداء میں بنگالی زبان کے افسانوں سے متاثر ہو کر اردو میں افسانے لکھنا شروع کئے ا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مختلف موضوعات پر بہت سے افسانے لکھے ہیں۔ ان کے اردو افسانوی مجموعے میں سوز وطن ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں پانچ افسانے ہیں، پریم پچیسی حصہ اول ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ۔ جس میں بارہ افسانے ہیں ، پریم پچیسی حصہ دوم 1918 ء میں شائع ہوا۔ جس میں تیرہ افسانے ہیں، پریم بتیسی حصہ اول ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ جس میں سولہ افسانے ہیں، پریم بتیسی حصہ دوم ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ جس میں سولہ افسانے

ہیں، خاک پروانہ ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں سولہ افسانے ہیں، خواب وخیال ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں چودہ افسانے ہیں، فردوس خیال ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ جس میں بارہ افسانے ہیں ، پریم چالیسی حصہ اول ودوم ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ جس میں بیس افسانے ہیں، آخری تحفہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ جس میں تیرہ افسانے ہیں، زادراہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ جس میں پندرہ افسانے ہیں، دودھ کی قیمت ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ جس میں نوافسانے ہیں اور واردات ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں تیرہ افسانے ہیں نہایت قابل ذکر ہیں۔

پریم چند کے اردو افسانے میں دنیا کا سب سے انمول رتن، بڑے گھر کی بیٹی، نمک کا داروغہ، حج اکبر، پوس کی رات، طلوع محبت، شکوہ وشکایت، زیور کا ڈبہ، حب وطن، عشق دنیا، نئی بیوی، یہی میرا وطن، کفن وغیرہ نہایت قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر مسعود حسین نے پریم چند کی افسانہ نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور: ابتدائی کوششیں ۱۹۰۹ء تک۔

دوسرا: دور تاریخی اور اصلاحی افسانے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک۔

تیسرا دور : اصلاحی اور سیاسی افسانے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۲ء تک۔

چوتھا دور: سیاسی اور فکری افسانے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء تک [۲]

پہلے دور کے افسانوں میں رومانی تصورات نمایاں ہیں۔ جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر اس دور میں پریم چند نے کئی افسانے لکھے۔ اس کے بعد وہ تاریخ اور اصلاح معاشرہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ دوسرے دور میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی برائیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی ہے۔ انہوں نے ہندو معاشرے کی قبیح رسوم پر قلم اٹھایا اور بیوہ عورت کے مسائل، بے جوڑ شادی وغیرہ موضوعات پر افسانے لکھے۔ اس دور میں وہ ایک مصلح کی حیثیت سے اپنے معاشرے کو احترام انسانیت اور مشرقی ومغربی تہذیب کے فرق اور اخلاق اقدار کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ تیسرے دور میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے۔ اس دور میں انہوں نے ناقابل فراموش افسانے لکھے۔ اس دور کے اافسانوں میں سیاست کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ چوتھا دور نہایت مختصر ہے۔ یہ صرف ۱۹۳۲ سے ۱۹۳۶ء صرف چار سال کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ چار سال ان کے معاشی، معاشرتی اور فنی نظریوں کے ارتقا میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

پریم چند نے افسانے کی بنیاد حقیقت پسندی پر رکھی۔ اس لئے ان کی افسانہ نگاری کی سب سے اہم خصوصیت حقیقت پسندی ہے۔ انہوں نے کہانیوں کو خیالی دنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لایا جہاں عام انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ ان کی کہانیوں میں جذباتی وابستگی کے بجائے ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ نظر آیا ہے۔ ان کے افسانوں میں اخلاقی اقدار، انسانیت پسندی اور سماجی انصاف کا پیغام ہوتا ہے۔ ان کا شاہکار افسانہ "دنیا کا سب سے انمول رتن" میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ خون کا وہ آخری قطرہ جو ملک کی آزادی کے لئے گرے وہی دنیا کا سب سے انمول رتن ہے۔ "وہ آخری قطرہ خون جو وطن کی حفاظت میں گرے، دنیا کی سب سے بیش قیمت شے ہے۔" [۳] یہ افسانہ حب الوطن کی ایک عمدہ مثال ہے اور یہ اس دور کے سیاسی وسماجی احوال کا مکمل ترجمان تھیں اور ہندوستان کے انقلاب آفرین رجحانات کی عکاسی کررہی تھیں۔

منشی پریم چند اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے دیہات اور وہاں کی زندگی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کا تعلق دیہات سے تھا۔ وہ دیہاتیوں کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے ان کے افسانوں میں ہندوستانی دیہی زندگی کی حقیقی عکاسی ملتی ہے۔ وہ دیہات کی

معاشرتی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی کو بڑی تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔ان کے افسانوں میں کسانوں اور مزدوروں کی زندگی کے دکھ درد، ان کی محنت، ان کی غربت اور زمیداروں کے ظلم وستم کی تصویر کشی نظر آتی ہے۔"پوس کی رات" اس سلسلے میں ایک اہم افسانہ ہے جس میں کسانوں کی غربت وافلاس کی عکاسی نہایت دلکش انداز میں کی گئی ہے۔

"جب کسی طرح نہ رہا گیا تو اس نے جبرا کو دھیرے سے اٹھایا اور اس کے سر کو تھپتھپا کر اسے اپنی گود میں سلا لیا۔ کتے کے جسم سے معلوم نہیں کیسی بدبو آرہی تھی۔ پر اسے اپنی گود سے چپٹائے ہوئے ایسا سکھ معلوم ہوتا تھا جو ادھر مہینوں سے اسے نہ ملا تھا۔ جبرا شاید یہ خیال کر رہا تھا کہ جنت یہیں ہے اور ہلکو کی روح اتنی پاک تھی کہ اس کو کتے سے بالکل نفرت نہ تھیں۔"[۴] اس کہانی میں غربت کی حقیقی تصویر پائی جاتی ہے۔ایک مفلس آدمی نے کتے کو گلے لگا کر سردی سے بچنے کی کوشش کی۔

سید وقار عظیم بھی پریم چند کے دیہی افسانوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"پریم چند نے سب سے پہلے دیہاتی زندگی کے انگنت مسئلوں کو اپنے افسانوں کے ذریعہ پڑھے لکھے لوگوں کی زندگی سے قریب کیا۔

پہلے پہل لوگوں نے دیہاتی زندگی کو اپنے ملک کی زندگی کا حصہ سمجھنا شروع کیا اور اسی احساس نے رفتہ رفتہ دیہاتی زندگی اور اس زندگی کے چھوٹے بڑے مسئلوں کو سیاسی اور اک کی بنیاد بنا دیا، یہاں ادر بنادیا، یہاں تک کہ اب ہماری ساری قومی اور سیاسی تحریکوں کا تار دیہاتی اور اس کی زندگی سے بندھا ہوا نظر آنے لگا۔"[۵]

پریم چند نے اپنے افسانوں کا پلاٹ ہمارے معاشرت کے پہلوں سے اخذ کیا ہے۔ ان کا پلاٹ عام طور پر سیدھا سادہ ہوتا ہے، مگر اس سادگی میں بڑی معنویت چھپی ہوتی ہے۔ان کے افسانے زندگی کے عام واقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔وہ غیر فطری واقعات سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کی کہانیاں فطری انداز میں آگے بڑھتی ہیں۔ان کے افسانوں میں اکثر کھلی فضا محسوس ہوتی ہے، جہاں قاری کو حقیقت کے قریب رہنے کا احساس ہوتا ہے۔

پریم چند کے بعض افسانوں میں منظر نگاری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔اگرچہ ان کے طرز تحریر میں شاعرانہ لطافت اور رنگ آمیزی نہیں ہے لیکن انسانی زندگی اور نفسیات کے بارے میں حکیمانہ نکتے جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ان کا افسانہ "نمک کا دار رونہ" میں منظر نگاری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ "دنیا سوتی تھی مگر دنیا کی زبان جاگتی تھی صبح ہوئی تو یہ واقعہ بچے بچے کی زبان پر تھا اور ہر گلی کوچے سے ملامت اور تحقیر کی صدائیں آتی تھیں۔ گویا دنیا میں اب گناہ کا وجود نہیں رہا"[۶]

مکالمہ نگاری میں بھی پریم چند کا فن بہت نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔وہ مکالمات کے ذریعے کرداروں کے جذبات اور خیالات کو بے حد خوبصورتی سے ظاہر کرتے ہیں۔وہ ہر طبقے کی نفسیات اور اس کے لب ولہجہ اور زبان و بیان سے واقف ہیں۔اس لئے ان کے مکالمات سادہ اور حقیقی زندگی کے قریب ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے پڑھتے ہوئے قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی حقیقت پسندانہ گفتگو کا حصہ ہو۔کفن پریم چند کا شاہکار افسانہ ہے۔یہ افسانہ مکالمہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔یہ مکالمہ سماج کی بے رحمی کو بے نقاب کرتے ہیں۔

"صبح کو مادھو نے کوٹھری میں جاکر دیکھا تو اس کی بیوی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔اس کے منھ پر مکھیاں بھنک رہی تھیں۔پتھرائی ہوئی آنکھیں اور ٹنگی ہوئی تھیں۔سارا جسم خاک میں لت پت ہو رہا تھا۔اس کے پیٹ میں بچہ مر گیا تھا۔"[۷]

کہانی کے وسط سے موت کا المیہ اور بیانیہ کی ستم ظریفی پوری طرح گرفت میں لے لیتے ہیں۔ بعد کا حصہ اسی تاثر کی شدت اور کیفیت کو مزید گہرا کرتا ہے۔ کرداروں کی بے حسی اور بے حیائی اور کھل کر سامنے آتی ہے۔ انسان خواہ کتنا گر جائے، حیوان کی سطح پر زندہ رہنے کے لیے بھی ریاکاری کے بغیر گزارہ نہیں۔

پریم چند کی کردار نگاری ان کی افسانہ نگاری کا ایک اور اہم عنصر ہے۔ ان کے کردار عام زندگی سے لیے گئے ہیں۔ کسان، مزدور، ساہوکار، مہاجن، کلرک، وکیل، ماسٹر پنڈت، سادھو، برہمن، مولوی، عورتیں، دیہاتی لوگ غرض متوسط طبقے کے افراد ان کے کرداروں کی اصلیت اور فطری سادگی قاری کو متاثر کرتی ہے۔ انہوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے سماجی برائیوں اور انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کو نہایت باریک بینی سے پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے افسانے "کفن" کے کردار گھیسو اور مادھو ہمیں معاشرتی بے حسی اور فریبی کے نفسیاتی اثرات سے روشناس کراتے ہیں۔

پریم چند کی افسانہ نگاری میں اصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔ وہ سماجی ناانصافیوں اور برائیوں کو بے نقاب کرتے ہیں اور اپنے افسانوں کے ذریعے قاری کو ان کے خلاف سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں استحصالی نظام، زمینداری، ذات پات کی تفریق اور عورتوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان کی کہانیاں ایک طرح سے سماجی تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہیں۔

پریم چند کے افسانے انسانی نفسیات کی عکاسی کا بھی عمدہ نمونہ ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کے اندرونی جذبات، خیالات اور کشمکش کو بڑی مہارت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے کرداروں کے اعمال اور ردعمل قاری کو انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کا گہرا احساس دیتے ہیں۔ پریم چند کی افسانہ نگاری میں سیاسی شعور اور انقلابی فکر کا عصر بھی نمایاں ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں ہندوستانی عوام کی آزادی کی تحریک اور استحصالی نظام کے خلاف جدوجہد کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے افسانے "سوز وطن" اور "عیدگاہ" جیسے افسانے کا عمدہ مثال ہیں۔

"غریب نے اپنے طفلانہ اشتیاق کو روکنے کے لیے کتنا ضبط کیا۔ جب دوسرے لڑکے کھلونے لے رہے ہوں گے مٹھائیاں کھا رہے ہوں گے اس کا کتنا لہراتا ہوگا اتنا ضبط اس سے ہوا۔ کیونکہ اپنی بوڑھی ماں کی یاد اسے وہاں بھی رہی۔ میرا لال میری کتنی فکر رکھتا ہے۔ اس کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ اس کے ہاتھ میں دنیا کی بادشاہت آجائے اور وہ اسے حامد کے اوپر بشار کردے۔"[۸]

پریم چند کے افسانے زبان و بیان کی خوبیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ ان کی زبان نہایت سلیس شگفتہ اور رواں ہے۔ فارسی اور ہندی دونوں کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ عبارت میں بیجد آمد اور زور ہے۔ حسب ضرورت تشبیہات واستعارات سے بھی کام لیتے ہیں۔ بے تکلفی اور فطری انداز بیان سے ان کی تحریروں میں دلکشی کے ساتھ ساتھ بڑی زندگی اور توانائی پیدا ہوگئی ہے۔ سادہ و سلیس ہونے کے باوجود پریم چند کی تحریریں فکرانگیز نثر کا جادو جگانے میں کامیاب ہیں۔ مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں کہ "پریم چند کا علم نظر بڑی حد تک خارجی اور تمثیلی ہوتا ہے ان کے قصوں میں افراد اپنی حرکات وسکنات اور بات چیت سے خود اپنے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں۔"[۹]

اس طرح پریم چند نے اردو افسانے کو نئی جہت اور اسے ہندوستانی پیکر عطا کیا۔ اسے آورش واد کے دائرے سے نکال کر جیتی جاگتی حقیقتوں کا عکاس و ترجمان بنایا اور تصورات کی بھول بھلیوں سے نکال کر حقیقت کی منطقی شاہراہ پر گامزن کیا۔ اور اردو کے افسانوی ادب کو سنجیدگی وسعت اور عظمت کی شاہراہ پر ڈالدیا۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند کے افسانوں کو اردو افسانے کا نقطۂ آغاز اور انھیں جدید افسانے کا معمار ونقیب قرار

دیا جاتا ہے۔ان کی حقیقت نگاری کی وجہ سے افسانہ نگاری میں ان کی روایت کو سب سے معتبر اور توانا روایت کا درجہ حاصل ہے۔ پریم چند کے افسانے پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں۔"پریم چند دنیا کے عظیم سے عظیم فن کار سے بھی زیادہ عظیم ہیں۔ وہ سرتاپا اشتراکی اور انقلابی ہیں۔ان میں سب حق ہی حق، خیر ہی خیر اور حسن ہی حُسن ہے۔ان کی کوئی کمزوری یا خامی، کمزوری یا خامی نہیں ہے۔ "[۱۰]

پریم چند کے طرز تحریر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے یہاں الفاظ کی سادگی اور سلامت پائی جاتی ہے ان کا ہر جملہ نہایت سلجھا ہوا ہوتا ہے ان کو زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی اور زبان شتر وراں ہے ان کے یہاں فارسی اور ہندی کے الفاظ کا استعمال خوب پایا جاتا ہے جو نامانوس نہیں معلوم ہوتے تصنع اور بناوٹ سے پرہیز کرتے ہیں مگر لطیف اشارات، دل چسپ تشبیہات اور رمز و کنایات کے استعمال کا لطف بڑھ جاتا ہے تحریر میں آمد ہے تاثیر جوش خلوص، سادگی ان کی تحریر کی جان ہے ان کے یہاں کہیں کہیں طنز و مزاح کا بھی لطف پایا جاتا ہے۔

پریم چند کی افسانوی تکنیک سیدھی سادھی ہے۔ واقعات کے منطقی ربط کے تحت ایک نقط عروج پیدا ہوتا ہے۔ یہ ابہام کے بجائے توضیح کی روادار ہے، تاہم پریم چند کے ہاتھوں میں یہ تکنیک فن کے بعض ایسے نکات کی حامل ہو جاتی ہے کہ اس کی اثر انگیزی مسلم ہو جاتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ان کے یہاں افسانہ تمامتر بیانیہ بن کر سامنے آتا ہے، مصنف خود کہانی کو بیان کرتا ہے، اور اکثر افسانوں میں بلاضرورت دخیل ہو کر مقصدیت کی تبلیغ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔"[۱۱]

غرض پریم چند کا شمار اردو اور ہندی ادب کے سب سے بڑے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کی افسانہ نگاری میں ایک فطری سادگی، سچائی اور انسانی جذبات کی گہرائی نظر آتی ہے، جو انہیں اردو اور ہندی کے بڑے لکھاریوں میں نمایاں مقام دیتی ہے۔ وہ غیر ضروری تکلفات اور آرائش سے بچتے ہیں اور ان کی زبان میں فطری روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ان کا اسلوب عام فہم ہونے کے باوجود گہرائی رکھتا ہے، جو قاری کو کہانی کے ساتھ جوڑ کر رکھتا ہے۔ان کے افسانے کسی بھی طبقے کے قاری کے لیے قابل فہم ہوتے ہیں، کیونکہ وہ عام بول چال کی زبان استعمال کرتے ہیں۔اردو افسانہ نگاری کی دنیا میں پریم چند ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ پریم چند اور ان کا افسانہ تا قیامت زندہ رہے گا۔

حوالے

١ ڈاکٹر قمر رئیس اور ڈاکٹر خلیق انجم، اصناف ادب اردو، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۲۰۱۴ء، ص-۱۱۸

٢ پروفیسر گوپی چند نارنگ، اردو افسانہ روایت اور مسائل، دہلی: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۱۹۸۱ء، ص-۱۴۵

٣ پریم چند کے سو افسانے، مرتبہ پریم گوپال؛ متل، نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۰ء، ص-۴۵

٤ پریم چند کے نمائندے افسانے، مرتبہ ڈاکٹر قمر رئیس، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۲۰۱۵ء، ص-۱۱۲

٥ سید وقار عظیم، نیا افسانہ، دہلی: جناح پریس، ۱۹۴۶ء، ص-۱۹

٦ پریم چند کے نمائندے افسانے، ص-۴۱

٧ پریم چند کے نمائندے افسانے، ص-۲۲۸

٨ پریم چند کے سو افسانے، مرتبہ پریم گوپال متل، نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۰ء، ص-۱۵-۷

٩ مجنوں گورکھپوری، افسانہ، حیدر آباد: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۳۵ء، ص-۵۵

١٠ اردو افسانہ روایت اور مسائل، ص-۱۶۳

١١ اردو افسانہ روایت اور مسائل، ص-۱۸۹